۲۲

میاں عزیز احمد صاحب مرحوم سے متعلق معاندین کے اعتراضات

(فرمودہ ۱۵/ جولائی ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"گو انفلوئنزا کے حملہ کی وجہ سے جو اس ہفتہ میں مجھ پر ہؤا تھا مَیں خطبہ کے بوجھ کو اپنے جسم کی طاقت سے بہت زیادہ پاتا ہوں لیکن چونکہ ایک مضمون میں نے شروع کیا ہؤا ہے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کا بقیہ حصہ آج ختم کر دوں اور گو جسمانی طاقت کے لحاظ سے مجھے چاہیئے تھا میں نہایت مختصر طور پر خطبہ دے کر بیٹھ جاتا لیکن مضمون کو ختم کرنے کی نیت سے میں کوشش کروں گا کہ جس طرح ہو یہ مضمون آج ختم ہو جائے۔

مَیں نے بیان کیا تھا کہ احرار کی طرف سے بھی دو اعتراض مجھے پہنچے ہیں۔ جن میں سے پہلے اعتراض کا جواب میں نے گزشتہ خطبہ میں دے دیا تھا اب ان اعتراضوں میں سے صرف ایک اعتراض باقی رہ گیا ہے اور میں آج اس کا جواب دینا چاہتا ہوں۔

وہ اعتراض یہ تھا کہ میاں عزیز احمد صاحب کے جنازہ میں ہزاروں آدمی شامل ہوئے۔ کیا یہ ہمدردی نہیں اور کیا یہ بغیر حکم کے ہوسکتا تھا۔ اگر ان کو بُرا کہتے ہیں تو ان کا جنازہ کیوں پڑھا گیا اور اگر جنازہ میں شمولیت بری نہیں تھی تو خود کیوں جنازہ میں شامل نہیں ہوئے۔

پہلے میں اعتراض کے اس حصے کو لیتا ہوں جو میری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی یہ کہ میں جنازہ میں شامل کیوں نہیں ہوا سو یاد رکھنا چاہئے کہ میں اس لئے جنازہ میں شامل نہیں ہوا کہ بوجہ امام جماعت ہونے کے اگر میں جنازے میں شامل ہوتا تو خطرہ تھا کہ بعض نوجوان یہ سمجھ لیتے کہ چلو خلیفہ جنازہ تو پڑھا دیتا ہے اور اگر ایسا فعل کر لیا تو ان کا جنازہ تو نصیب ہو ہی جائے گا۔ پس آئندہ فتنہ کا سدباب کرنے کے لئے میں نے ایسا کیا اور ان لوگوں کی خیر خواہی کے لئے کیا جو کوئی ہفتہ نہیں جاتا کہ نا قابلِ برداشت گالیاں نہیں دیتے۔ میں اس وقت ان لوگوں کا ذکر نہیں کرتا جو ہمارے مخالف ہیں اور احمدیت میں شامل نہیں ہیں میں ان لوگوں کا بھی ذکر نہیں کرتا جو گو جماعت احمدیہ میں شامل ہیں لیکن شروع سے ہی خلافت کے متعلق ہم سے اختلاف رکھتے ہیں، میں ان لوگوں کا بھی ذکر نہیں کرتا جو جماعت سے قریب زمانہ میں علیحدہ ہوئے ہیں اور گو وہ خلافت کے قائل ہیں مگر اس رنگ میں نہیں جس رنگ میں ہم قائل ہیں، میں ان لوگوں کا بھی ذکر نہیں کرتا جن کے مونہوں پر خلافت کا عقیدہ ہے مگر ان کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ اور گو ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے لوگ موجود ہیں اور ان کے دلوں میں احمدیت اور خلافت کے متعلق ویسا ہی بُغض ہے جیسے مخرجین یا پیغامیوں کے دلوں میں ہے بلکہ یہ منافق لوگ ان سے بھی زیادہ بُغض اور عداوت اپنے اندر رکھتے ہیں کیونکہ وہ تو گالیاں دے کر اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں مگر ان کو چاپلوسیاں بھی کرنی پڑتی ہیں ان کو خوشامدیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ ان کو منتیں بھی کرنی پڑتی ہیں اور ان کو اپنی زبان سے اپنی محبت کا اظہار بھی کرنا پڑتا ہے۔ مگر جس وقت ان کی زبان تعریف کر رہی ہوتی ہے ان کا دل کُڑھ رہا اور خون ہو رہا ہوتا ہے اور ان کا نفس انہیں لعنتیں ڈال رہا ہوتا ہے اور کہہ رہا ہوتا ہے کہ اے کمبخت اور لعین! تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو اپنے عقیدہ کے خلاف کسی دنیوی مفاد یا چند پیسوں کے لئے ان کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے، پس ان کا غصہ اور بھی بڑھ جاتا ہے اور ان کا بُغض اور بھی ترقی کر جاتا ہے۔ غرض میں ان لوگوں میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں کر رہا بلکہ میں ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہوں جنہیں تم ایک آدمی کہہ لو، تم دو آدمی کہہ لو، تم سو آدمی کہہ لو، تم ہزار آدمی کہہ لو، تم دس ہزار آدمی کہہ لو، تم لاکھ آدمی کہہ لو مگر بہر حال تمہیں ماننا پڑے گا کہ ایک ایسی جماعت ضرور ہے جو

یقین اور وثوق سے خلافت کے ساتھ وابستہ ہے جس کے افراد خلیفہ کی حکومت تسلیم کرنا اپنے ایمان کا جُزو قرار دیتے ہیں، جو اس کے ہر قول اور فعل پر ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، جو اس میں خدا کے وجود کو دیکھتے اور خدا کے وجود میں اسے دیکھتے ہیں، جو اس بات پر یقین اور ایمان رکھتے ہیں کہ اگر خلیفہ وقت کی دعا اور اس کی برکت ہمیں حاصل ہو جائے تو یہ ہماری نجات کا ذریعہ ہوگا۔ ان لوگوں کے خیالات کو یکسو رکھنے اور انہیں غلط راستہ پر پڑنے سے بچانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس موقع پر کوئی ایسا طریقِ عمل اختیار کیا جاتا جس کے نتیجہ میں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جاتے کہ اگر ہم نے ناجائز طور پر کسی کو قتل بھی کر دیا تو خلیفۂ وقت کی برکت اور اس کی دعا ہمیں حاصل ہو جائے گی۔

پس آئندہ فتنہ کا سدباب کرنے اور اپنی جماعت کے نوجوانوں کے ایمانوں کو بچانے کے لئے میں نے میاں عزیز احمد صاحب کا جنازہ نہیں پڑھایا تا میرے جنازہ پڑھانے کے نتیجہ میں لوگوں کے دلوں میں غلط خیال پیدا نہ ہو جائے کہ چلو خلیفہ جنازہ تو پڑھا دیتا ہے اگر ہم نے کوئی ایسی حرکت کر لی تو ان کا جنازہ تو بہرحال ہمیں نصیب ہو جائے گا۔

پس میرا جنازہ نہ پڑھنا آئندہ فتنہ کے سدباب کے لئے تھا اور درحقیقت میں نے ان معترضین کی خاطر ایسا کیا۔ مگر میں نے تو ان پر اتنا بڑا احسان کیا اور وہ اُلٹا مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے میاں عزیز احمد صاحب کا جنازہ کیوں نہ پڑھا۔ حالانکہ میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ احرار اور مخرجین میں سے جو لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور جو کوئی ہفتہ نہیں جاتا کہ ناقابلِ برداشت الفاظ ہمارے متعلق استعمال نہیں کرتے، ان پر آئندہ ہماری جماعت کا کوئی جوشیلا شخص محض اِس خیال کے ماتحت حملہ نہ کر دے کہ اگر میں نے کسی کو قتل بھی کر دیا تو کم از کم خلیفہ کی دعا اور اُس کا جنازہ مجھے نصیب ہو جائے گا۔ پس میں نے میاں عزیز احمد صاحب کا جنازہ نہیں پڑھایا اور اس لئے نہیں پڑھایا کہ دوسرے لوگ یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ جو شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتا اور انتہائی اشتعال کی حالت میں بھی کسی کو قتل کر دیتا ہے خلیفۂ وقت اُس کا جنازہ پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔

اگر کوئی کہے کہ پھر قاضی محمد علی صاحب سرحدی کا جنازہ کیوں پڑھایا حالانکہ وہ بھی ایسے ہی

فعل کے مرتکب ہوئے تھے۔تو اِس کا جواب یہ ہے کہ وہ جماعت کے ایک فرد کا پہلا فعل تھا اور قدرتی طور پر جو پہلی دفعہ غلطی کرتا ہے اس کا زیادہ لحاظ رکھنا پڑتا ہے کیونکہ جس راستہ پر انسان کبھی نہ چلا ہو اس میں انسان سے کئی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ پس لازماً جب کوئی شخص پہلی دفعہ غلطی کرے گا وہ زیادہ قابلِ معافی ہوگا جس طرح وہ شخص جو پہلی نیکی کرے گا وہ زیادہ قابلِ انعام ہوگا۔ بہرحال پہلے اور پچھلے میں فرق ضرور ہوگا۔ جو شخص پہلی نیکی کرتا ہے وہ زیادہ قابلِ انعام سمجھا جائے گا کیونکہ اس نے بغیر نمونہ کے نیکی کی لیکن دوسرا نیکی کرنے والا نقال بھی ہوسکتا ہے۔اسی طرح جو پہلی غلطی کرے اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسے علم نہیں تھا کہ یوں نہیں کرنا چاہئے اور چونکہ ایسا واقعہ پہلے کبھی نہیں ہوًا تھا اس لئے وہ غلطی کھا گیا۔اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کوئی واقعہ رونما ہو جاتا ہے اس وقت تعلیم زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے مگر پہلے نہیں ہوتی۔ پہلے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہماری جماعت میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو اشتعال میں آکر کسی پر حملہ کر دے لیکن جب کوئی پر جوش شخص ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے تو پھر خیال آتا ہے کہ ایسے آدمی تو ہم میں موجود ہیں اور پھر زور دیا جاتا ہے کہ اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔ پس جو پہلی غلطی کرتا ہے وہ کم مجرم ہوتا ہے لیکن جو بعد میں پہلی غلطی کے نتائج کو دیکھنے کے باوجود اسی حرکت کا ارتکاب کرتا ہے وہ زیادہ مجرم ہوتا ہے جس طرح پہلی نیکی کرنے والا بعد میں نیکی کرنے والے سے زیادہ قابل انعام ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ لے لو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے اردگرد صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے یہ ذکر کرنا شروع کر دیا کہ جنت میں یوں ہوگا یوں ہوگا اور پھر ان انعامات کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقدر فرمائے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! دعا کیجئے کہ جنت میں مَیں بھی آپ کے ساتھ ہوں (بعض روایتوں میں ایک اور صحابی کا نام آتا ہے اور بعض روایتوں میں حضرت ابوبکرؓ کا نام آتا ہے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم میرے ساتھ ہوگے[1] اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہوں کہ ایسا ہی ہو۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو

قدرتی طور پر باقی صحابہ کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ ہم بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ ہمارے لئے بھی یہی دعا کی جائے۔ پہلے تو وہ اس خیال میں تھے کہ ہمارے یہ کہاں نصیب ہیں کہ ہم جنت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں مگر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یا بعض روایتوں کے مطابق کسی اور صحابی نے یہ بات کہہ دی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا بھی فرمائی تھی تو اب انہیں نمونہ مل گیا اور انہیں پتہ لگ گیا کہ یہ عمل ناممکن نہیں بلکہ ممکن ہے۔ چنانچہ ایک اور صحابی کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا۔ یَا رَسُوْلَ اللہ! میرے لئے بھی دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ جنت میں مجھے آپ کے ساتھ رکھے۔ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ تم پر بھی فضل کرے مگر جس نے پہلے کہا تھا اب تو وہ دعا لے گیا۔[۲] اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے بھی دعا فرما دیتے تو پھر تیسرا شخص کھڑا ہو جاتا۔ اس کے بعد چوتھا اور پھر پانچواں اور سب یہی کہتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ سارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں ہی آجاتے باقی جنت تو خالی ہی رہ جاتا کیونکہ بعد میں آنے والے بھی کہہ سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں بعد میں پیدا کر دیا ورنہ ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں اور اس خواہش میں ہم کسی سے پیچھے نہیں اور یقیناً اس لحاظ سے انہیں بھی یہ حق حاصل ہو جاتا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں۔ اس طرح امت محمدیہ میں صرف محمدی مقام ہی رہ جاتا اور کوئی مقام نہ رہتا۔ تو یہ قدرتی بات ہے کہ جو پہلی نیکی کرے گا وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس نے بغیر نمونہ کے نیکی کی اور دوسروں نے اس کی نقل میں نیکی کی۔

یہی حال گناہ کا ہے۔ جو شخص پہلا گناہ کرتا ہے لیکن ساتھ ہی اس گناہ کو ایجاد بھی کرتا ہے، شریعت کے مطابق اسے زیادہ سزا دی جائے گی کیونکہ اسے کہا جائے گا کہ تمہارا یہی قصور نہیں کہ تم نے پہلا گناہ کیا بلکہ تمہارا قصور یہ بھی ہے کہ تم نے اس گناہ کو ایجاد کیا لیکن اگر اس نے غفلت یا ناواقفی سے یا شریعت اور سلسلہ کی تعلیم سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ایک گناہ کیا ہو جس سے پہلے وہ قوم روشناس نہ ہو، یہ نہیں کہ اس گناہ کو اس نے ایجاد کیا ہو تو اس جُرم کی سزا اسے کم ملے گی لیکن جب اسے تنبیہہ ہو جائے اور سب لوگوں پر مسئلہ واضح ہو جائے تو اس کے بعد جو شخص

دوبارہ گناہ کرے تو وہ زیادہ سزا کا مستحق ہوگا۔

پس قاضی محمد علی صاحب نے جس فعل کا ارتکاب کیا چونکہ وہ ہمارے سلسلہ میں پہلا فعل تھا اور اس سے پہلے زیادہ زور نہیں دیا گیا تھا، اس لئے ہم نے قاضی محمد علی صاحب سے اور سلوک کیا اور جب انہوں نے توبہ کرلی اور ساتھ ہی قانون کا منشاء بھی پورا ہوگیا اور انہیں پھانسی مل گئی تو ہم نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں معافی دے دی ہے اور جو زجر ہوگئی ہے وہ آئندہ کے لئے کافی ہے۔ مگر جب دوسرا واقعہ ہؤا تو یہ سمجھتے ہوئے کہ پہلی تنبیہہ کافی نہیں ہوئی مزید سختی کی ضرورت سمجھی گئی اور میں نے فیصلہ کیا کہ جس سے یہ واقعہ ہؤا ہے اس کا جنازہ میں نہ پڑھوں اور ساتھ ہی اعلان کردیا گیا کہ اگر آئندہ کسی شخص نے مشتعل ہوکر قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا تو اسے جماعت سے خارج کردیا جائے گا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ایسے شخص کا جنازہ خلیفہ وقت ہی نہیں باقی جماعت بھی نہیں پڑھے گی کیونکہ جسے ہم جماعت سے خارج کردیتے ہیں وہ اگر مرجائے تو جماعت اس کا جنازہ نہیں پڑھتی۔ اور درحقیقت یہ ایک رنگ میں مقاطعہ کا فیصلہ ہے ورنہ اگر کوئی واقع میں احمدی ہو تو اسے احمدیت سے کوئی خارج نہیں کرسکتا۔

میں نے پہلے بھی کئی دفعہ بتایا ہے کہ ہم جب کسی کو خارج کرتے ہیں تو جماعت سے کرتے ہیں، احمدیت سے نہیں۔ احمدیت سے خارج تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نہیں کرسکتے اور چونکہ احمدیت اور اسلام ایک ہی چیز کا نام ہے اس لئے اسلام کے متعلق بھی یہی اصل ہے کہ اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی انسان کو خارج نہیں کرسکتے۔ آپ اسے جماعتِ مُسلمین سے خارج کرسکتے ہیں مگر اسلام سے خارج نہیں کرسکتے کیونکہ یہ خدا کا کام ہے اور وہی جانتا ہے کہ واقع میں کوئی شخص دل سے اسلام سے نکل گیا ہے۔ یا نہیں۔ جن باتوں سے اسلام روکتا ہے اگر کوئی شخص ان کا مرتکب ہوتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ مسلمان نہیں لیکن بعض لوگ باوجود ظاہری طور پر اسلامی احکام پر عمل کرنے کے پھر بھی مسلمان نہیں ہوتے کیونکہ گو وہ بظاہر لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کے قائل ہوں، نمازیں پڑھتے ہوں، روزے رکھتے ہوں، حج کرتے ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں، پھر بھی ممکن ہے کہ ان کے دل میں اسلام نہ پایا جاتا ہو۔ ایسے لوگوں کو گو ہم ظاہر میں مسلمان ہی کہیں گے مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ مسلمان

نہیں ہوں گے۔ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک جنگ کے موقع پر ایک شخص نے اتنی جرأت اور دلیری سے جہاد میں حصہ لیا کہ صحابہ کہتے ہیں کہ ہم اسے دیکھ کر بے اختیار کہتے تھے۔ خدا اسے جزائے خیر دے کہ یہ آج ہم سب میں سے زیادہ کام کر رہا ہے یہ شخص یقینی جنتی ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا اگر صفحہ دنیا پر کسی نے چلتا پھرتا دوزخی دیکھنا ہو تو وہ اس کو دیکھ لے۔ اب وہ شخص بظاہر مسلمان تھا، نہیں تو صحابہ اسے جنتی قرار نہ دیتے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوزخی قرار دے دیا۔[۳] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہام کے ذریعے بتا دیا ہوگا کہ یہ دوزخی ہے لیکن کوئی دوسرا شخص ایسے آدمی کو کافر قرار نہیں دے سکتا۔ تو درحقیقت اسلام سے نکالنے کا کام اللہ تعالیٰ کا ہے، ہمارا نہیں۔ ہم بعض دفعہ ظاہر میں کسی کے متعلق فتویٰ دے دیتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے حالانکہ وہ کافر ہوتا ہے اور بعض دفعہ کسی کو نظام کے توڑنے کے باعث جماعت سے خارج کر دیتے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ احمدی نہیں رہا۔ بعض دفعہ وہ جماعت سے خارج ہونے پر بھی احمدی رہتا ہے اور بعض دفعہ نہیں رہتا۔ ہر شخص کے ایمانی حالات کے مطابق اس کی احمدیت باقی رہتی ہے یا جاتی رہتی ہے۔

غرض ہم جس کو بھی خارج کرتے ہیں احمدیت یا اسلام سے خارج نہیں کرتے، سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کے فتویٰ کے مطابق ایسا کریں۔ اگر خدا تعالیٰ کا فتویٰ موجود ہو تب ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ احمدی نہیں۔ ورنہ اس کے بغیر ہمارا تو یہ حق ہے کہ ہم کہیں اس کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں مگر یہ حق نہیں کہ اس کے متعلق یہ کہیں کہ وہ احمدی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ اس نیت سے کوئی گناہ نہ کرے کہ بعد میں معافی لے لوں گا۔ جو شخص اس نیت سے گناہ کرتا ہے کہ میں بعد میں توبہ کر لوں گا اس کی توبہ چونکہ بناوٹی ہوتی ہے اس لئے وہ قبول نہیں ہو سکتی اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ اس لئے نہیں کہ توبہ سے گناہ معاف نہیں ہو سکتے بلکہ اس لئے کہ وہ توبہ حقیقی نہیں ہوتی۔ اگر حقیقی توبہ ہوتی تو وہ گناہ کے ارتکاب کے بعد کی ہوتی۔ جو شخص گناہ سے پہلے یہ خیال کرتا ہے کہ میں گناہ کر لیتا ہوں پھر توبہ کر لوں گا اس کی وہ توبہ پہلے کی ہے اور اس کا گناہ اس کی توبہ کو مٹا دیتا ہے۔

لیکن جو ایسی صورت میں گناہ نہ کرے بلکہ جذبات سے متاثر ہو کر بِجَہَالَۃٍ کرے تو تمام اہل السنّت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ امر ثابت ہے کہ ایسی توبہ قبول کر لی جاتی ہے اور تائب کا گناہ معاف ہو جاتا ہے چاہے کتنا بڑا گناہ کیوں نہ ہو۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ ایک شخص کو حد لگائی گئی تو آپ نے فرمایا۔ حدود توبہ کے ساتھ انسانی گناہ معاف کرا دیتی ہیں۔ اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ حد ہمیشہ بڑے گناہ میں لگائی جاتی ہے۔ مثلاً قتل ہے یا زنا ہے یا قذف ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ ان حدود کے ساتھ جب توبہ مل جائے تو گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ پس جب کوئی شخص اصولِ دین پر ایمان رکھتا ہو اور کسی اعتقادی مسئلہ کا انکار نہ کرتا ہو اور نہ منصوص احکام کا انکار کرتا ہو۔ مثلاً نماز، زکوٰۃ وغیرہ یعنی وہ یہ نہ کہتا ہو کہ نماز نہیں پڑھنی چاہیئے یا روزہ نہیں رکھنا چاہیئے کیونکہ نماز کا حکم منصوص احکام میں سے ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں بھی تاکید پائی جاتی ہے، سنت سے بھی یہ ثابت ہے اور حدیث سے بھی یہ ثابت ہے اور کسی عمل کو ثابت کرنے کے لئے انہی تین شاہدوں کی ضرورت ہؤا کرتی ہے۔ اختلاف کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جب کوئی شخص کہے کہ قرآن سے یہ ثابت نہیں یا سنت اس کے خلاف ہے یا حدیث اس کی تائید میں نہیں لیکن جب قرآن، سنت اور حدیث تینوں ایک بات پر متفق ہوں تو وہ تین طرح منصوص حکم ہے اور اگر کوئی شخص اس کا انکار کرتا ہے تو وہ یقیناً کافر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا لیکن نماز کا قائل ہے تو یہ دوسری صورت ہوگی لیکن اگر کوئی کہے کہ نماز پڑھنی ہی نہیں چاہیئے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ تو اگر وہ کسی اعتقادی مسئلہ کا انکار نہ کرتا ہو اور نہ منصوص احکام کا انکار کرتا ہو بلکہ محض جوشِ نفسانی سے کوئی کام کر بیٹھے یعنی اس کے نفس کو اتنا جوش آ جائے کہ اس کی دینی طاقت کمزور ہو جائے اور وہ جذبات کی رو میں بہہ جائے تو وہ حقیقتاً مذہب سے باہر نہیں ہو جاتا بلکہ مسلمان ہی کہلائے گا مثلاً کوئی شخص چوری کرتا ہے۔ اب اگر وہ یہ کہے کہ گو خدا نے یہ کہا ہے کہ چوری مت کرو مگر میں ضرور کروں گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ خدا نے تو یہ کہا ہے کہ چوری نہ کرو اور میں بھی مانتا ہوں کہ چوری بہت بُری چیز ہے مگر میرا نفس ایسا کمزور ہے کہ وقت پر یہ بات مجھے بھول جاتی ہے اور بے اختیار چوری کر لیتا ہوں تو وہ

کافر نہیں کہلائے گا۔ ہم ایسے شخص کو بعض دفعہ سزا کے طور پر جماعت سے الگ کر سکتے ہیں مگر احمدیت یا اسلام سے الگ نہیں کر سکتے۔ اپنی جماعت کے نظام کی درستی، اسے لوگوں کے اعتراضات سے محفوظ رکھنے اور خود اسے آئندہ کے لئے سبق دینے کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں، مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ احمدیت سے خارج ہو گیا۔ یا اسلام سے خارج ہو گیا۔ ایسی صورت میں اگر وہ عقائد اور اعمال کو تسلیم کرنے میں ہمارے ساتھ متفق ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ نماز پڑھنی چاہیئے وہ کہتا ہے کہ زکوٰۃ دینی چاہیئے، وہ کہتا ہے کہ حج کرنا چاہیئے، وہ کہتا ہے کہ چوری نہیں کرنی چاہیئے، مگر بعض دفعہ وہ نمازیں نہیں پڑھتا، بعض دفعہ وہ روزے نہیں رکھتا، بعض دفعہ وہ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یا بعض دفعہ چوری کر لیتا ہے تو ہم اسے ناقص مسلمان تو کہہ سکتے ہیں مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غیر مسلم ہے یہی حالت قصہ زیرِ بحث کی ہے۔ جس شخص نے اس فعل کا ارتکاب کیا اس کے عقائد وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔ اعمال کے متعلق وہ تسلیم کرتا ہے کہ قرآن نے جو کچھ کہا ہے اس کا حرف حرف قابلِ عمل ہے۔ پھر وہ منافقت کی وجہ سے اس فعل کا مرتکب نہیں ہوا بلکہ جوش کی حالت میں اس سے یہ فعل سرزد ہوا ہے۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ اس نے یہ کہا ہو کہ میں خدا کے اس حکم کو رد کرتا ہوں اور اسے ماننے کے لئے تیار نہیں بلکہ جوش کی حالت میں جبکہ ممکن ہے وہ خدا کے اس حکم کو بھول گیا ہو یا اس کے نفس نے اس کی کوئی اور تاویل کر لی ہو اس نے اس فعل کا ارتکاب کیا۔ پس ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ مذہب سے باہر ہو گیا۔ ہم آئندہ زیادہ سختی سے روکنے کی خاطر ایسے شخص کو (اگر خدانخواستہ کوئی ایسا فعل کرے) جماعت سے نکال تو دیں گے مگر جب کہ وہ سب عقائد کو مانتا ہو، جماعت سے عملاً جدا نہ ہوتا ہو یا اس میں تفرقہ نہ ڈالتا ہو اور صرف کسی عمل کا باوجود اس کو ناجائز سمجھنے کے غلطی سے مرتکب ہو جاتا ہو۔ یا حکم تو درست سمجھتا ہو لیکن اس کا اطلاق غلط کر لیتا ہو تو اسے ہم احمدیت سے الگ نہیں سمجھ سکتے۔ مثلاً قتل ہے یہ ایک ناجائز فعل ہے مگر مسلمان عام طور پر سمجھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں کسی ایسے غیر مسلم کو قتل کر دینا جائز ہے جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی ہو۔ اب ایسے شخص کے متعلق ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ ناقص مسلمان ہے مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ صرف اس وجہ سے وہ اسلام سے نکل گیا۔

اسی طرح جب کوئی شخص ہماری جماعت میں سے خدانخواستہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جب کہ وہ سب عقائد کو مانتا ہو صرف کسی فعل کو ناجائز سمجھنے کے باوجود غلطی سے اس کا مرتکب ہو جاتا ہو۔ یا حکم کو درست سمجھنے کے باوجود اس کا اطلاق غلط کر لیتا ہو تو اسے گو ہم جماعت سے نکال دیں گے مگر احمدیت سے الگ نہیں سمجھ سکتے، اور ہمارا یہ حکم محض تعزیری ہوگا اور ایسے افعال کو روکنے کی خاطر ہوگا اور ضروریات دینی کی غرض سے اس قسم کے تعزیری احکام دینے کی خلفاء کو اجازت ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر اَوروں کو مَیں نے کیوں نہ روکا جبکہ خود جنازہ نہ پڑھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جبکہ ہم نے میاں عزیز احمد صاحب کو جماعت سے خارج نہیں کیا تھا تو ان کا جنازہ جائز تھا اور گو اس نے جو فعل کیا وہ جائز نہیں تھا لیکن اس کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ احمدی نہیں رہا تھا۔ اگر وہ یہ کہتا کہ میں قرآن کو نہیں مانتا۔ میں احمدیت کو سچا نہیں سمجھتا، میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے دعاوی میں صادق اور راستباز نہیں مانتا تو پھر وہ حملہ ہی کیوں کرتا۔ میاں فخر الدین نے اس کے باپ کو تو نہیں مارا ہوا تھا کہ اسے کوئی نفسانی جوش تھا جس کی وجہ سے اُس نے اُسے قتل کر دیا۔ اس نے غلطی سے یا صحت سے اپنے ذہن میں اس فعل کا ارتکاب محض خدا کے لئے کیا اور میں بتا چکا ہوں کہ جب کوئی شخص عقائد کا انکار نہ کرتا ہو اور صرف کسی عمل کا باوجود اس کو ناجائز سمجھنے کے غلطی سے اس کا مرتکب ہو جاتا ہو اُسے ہم احمدیت سے الگ نہیں سمجھتے زیادہ سے زیادہ اُسے جماعت سے خارج کر سکتے ہیں اور جبکہ ہم نے اُسے جماعت سے بھی خارج نہیں کیا تھا تو اُس کا جنازہ پڑھنے میں کیا حرج تھا اور جس شخص کا جنازہ جائز ہو اُس کا جنازہ فرضِ کفایہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر چند لوگ جنازہ پڑھ لیں تو ساری قوم الزام سے بری ہو جاتی ہے اور اگر کوئی بھی نہ پڑھے تو ساری قوم زیرِ الزام آجاتی ہے۔

ایک مسلمان اگر مر جائے اور دس بیس اس کا جنازہ پڑھ دیں تو باقی سب مسلمانوں پر جو فرض عائد ہوتا تھا وہ ادا ہو جائے گا لیکن اگر کوئی بھی جنازہ نہ پڑھے تو جو اس مقام کے لوگ ہونگے وہ سب گنہگار ہونگے۔ تو جس شخص کا جنازہ جائز ہو اس کا جنازہ کچھ نہ کچھ افراد پر واجب ہوتا ہے اگر وہ نہ پڑھیں تو ساری قوم مجرم ہو جاتی ہے اور اگر کچھ لوگ پڑھ لیں تو ساری قوم

عُہدہ برا ہو جاتی ہے۔

پس ہم دوسروں کو جنازہ پڑھنے سے کسی صورت میں روک نہیں سکتے تھے اگر کہا جائے کہ تم نے پندرہ بیس آدمی جنازہ پر بھیج دیئے تھے باقیوں کو کیوں جانے دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ صورت اختیار کی جاتی تو پھر اور زیادہ اعتراض ہوتا اور اس صورت میں معترض یہ نہ کہتے کہ عام لوگوں کو جنازہ پڑھنے سے روکا گیا ہے بلکہ وہ کہتے کہ بعض لوگوں کو خود حکم دے کر جنازہ پڑھوایا گیا ہے۔تو بہتر طریق یہی تھا کہ اس بارے میں کچھ نہ کہا جاتا اور جس کا جی چاہتا جنازہ پڑھ آتا اور جس کا جی چاہتا نہ پڑھتا اور یہی طریق ہم نے اختیار کیا۔

پھر یہ اعتراض کہ اگر امام جنازہ نہ پڑھے تو دوسروں کو بھی روکے۔محض دینِ اسلام کی ناواقفیت سے پیدا ہؤا ہے۔خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہ ثابت ہے کہ جن لوگوں کو حدود لگی ہوں اُن کا جنازہ امام تو نہ پڑھے لیکن دوسرے مسلمان پڑھ لیں۔ چنانچہ ابوداؤد میں روایت ہے کہ ماعز ایک شخص تھے۔انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدکاری کا اقرار کیا، یہ واقعہ تفصیل سے احادیث میں آتا ہے،انہوں نے کئی دفعہ قسم کھائی اور بار بار کہا کہ میں نے بدکاری کی ہے۔آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فیصلہ کیا کہ انہیں حد لگائی جائے اور سنگسار کیا جائے۔ جب وہ سنگسار کر دیئے گئے تو ان کا جنازہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھا لیکن دوسروں کو آپ نے اس کا جنازہ پڑھنے سے منع بھی نہیں کیا۔[۴]

اسی طرح ایک قرضدار تھا۔جب وہ فوت ہؤا تو آپ نے فرمایا میں قرضدار کا جنازہ نہیں پڑھتا لیکن دوسروں کو آپ نے جنازہ پڑھنے سے نہیں روکا۔[۵] یہاں بھی یہی ہؤا۔ایک طرف میں نے جماعت کو ان کا جنازہ پڑھنے سے نہیں روکا اور دوسری طرف میں نے خود ان کا جنازہ نہ پڑھا۔تا نوجوان آئندہ محتاط رہیں اور وہ یہ خیال کر کے کہ چلو خلیفہ وقت جنازہ تو پڑھا دیتا ہے آئندہ کسی ایسے فعل کے مرتکب نہ ہو جائیں:-

پس لوگوں کو جنازہ پڑھنے سے روکنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپؐ کی سنت سے ثابت نہیں۔اور اگر لوگوں کو جنازہ پڑھنے دینا بُری بات ہے تو اس پٹھان کی طرح جس نے

کہا تھا ''خوہ محمدؐ صاحب کا نماز ٹوٹ گیا'' ان معترضین کا اصل اعتراض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات پر پڑتا ہے۔

کہتے ہیں کوئی پٹھان تھا۔ ایک دفعہ جب وہ حدیث کا سبق پڑھ رہا تھا۔ تو وہاں یہ ذکر آ گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ جب آپ سجدہ میں جاتے تو اسے اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اُسے اُٹھا لیتے، وہ پڑھتے ہی کہنے لگا ''خوہ محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا''۔ اس نالائق نے یہ نہ سمجھا کہ نماز تو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی ہے۔ اگر نماز کے قواعد وہ نہیں جانتے تو اور کون جان سکتا ہے۔ کسی نے اسے کہا یہ کیا بیہودہ بات کرتے ہو۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں کنز میں لکھا ہے کہ خارجی حرکت سے نماز ٹوٹ جاتا ہے۔

اسی طرح یہ لوگ بھی مسئلہ اپنے پاس سے بناتے اور پھر اسے منسوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات احادیث سے، فقہاء کے اقوال سے اور ائمہ اَربعہ کے فتاویٰ سے ثابت ہے۔ آخر یہ جو اعتراض کرتے ہیں۔ یہ یا تو اہلحدیث ہونگے یا حنفی ہونگے یا شافعی ہونگے یا مالکی ہونگے یا حنبلی ہونگے اور اگر یہ اہلحدیث ہیں تو حدیثیں موجود ہیں، حنفی ہیں تو حنفیوں میں بحث پائی جاتی ہے، شافعی ہیں تو شافعیوں میں بھی یہ مسئلہ پایا جاتا ہے اور اگر مالکی یا حنبلی ہیں تو ان میں بھی یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ غرض کوئی ایک بھی محدث، یا فقیہہ، یا امام ایسا نہیں جو کہتا ہو کہ اس قسم کے گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے مجرم کو جنازہ سے محروم کر دینا چاہئے۔ چنانچہ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں تمام ائمہ خواہ حنفی ہوں، خواہ شافعی، خواہ حنبلی، خواہ مالکی اس امر کا فتویٰ دیتے ہیں کہ اہلِ کبائر کا جنازہ جائز ہے۔ صرف امام مالکؒ ان سے اختلاف کرتے ہیں مگر وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ جنازہ جائز نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ امام کو ان اہلِ حدود کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے جن کو اس نے خود حد لگوائی ہو۔ یعنی امام کسی کے متعلق یہ فتویٰ دے چکا ہو کہ فلاں شخص حد کے نیچے آ گیا ہے۔ اس فتویٰ کے بعد اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ خود اس کا جنازہ پڑھے۔ مثلاً کسی پر زنا کا الزام ثابت ہو چکا ہے یا قتل کا الزام ثابت ہو چکا ہے یا چوری کا الزام ثابت ہو چکا ہے اور وہ حکم دے چکا ہے کہ اس پر زنا، یا قتل، یا چوری کی حد قائم کر دی جائے

تو جس کے متعلق امام نے خود حد لگوائی ہو اس کا جنازہ پڑھنا اس کے لئے جائز نہیں لیکن وہ کہتے ہیں امام کے علاوہ دوسروں کو پھر بھی جائز ہے کہ اس کا جنازہ پڑھیں۔

پس مَیں نے جو کیا وہ احوط سے احوط مذہب ہے[۶] اور میں نے تو اس بات پر عمل کیا جو سب سے زیادہ سخت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہر صورت میں نماز جنازہ جائز ہے، خواہ امام نے حد لگوائی ہو یا نہ لگوائی ہو۔ شوافع کا مذہب بھی یہی ہے۔ اسی طرح حنبلیوں اور مالکیوں کا بھی یہی مذہب ہے کہ اہل کبائر کا جنازہ جائز ہے۔ صرف امام مالکؒ نے ان سے اختلاف کیا ہے اور امام مالکؒ نے اپنے اس اختلاف کی بنیاد اسی حدیث پر رکھی ہے۔ جو ماعز کے متعلق میں بیان کر چکا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم آپ کے جنازہ میں شامل نہیں ہوئے البتہ آپ نے دوسروں کو روکا بھی نہیں۔ پس وہ کہتے ہیں کہ جب امام خود حد لگوائے تو وہ جنازہ نہ پڑھے مگر دوسروں کو جنازہ پڑھنے سے وہ بھی نہیں روکتے۔ اب بتاؤ جس امر کے متعلق تمام اہلحدیثوں، تمام حنفیوں، تمام شافیوں، تمام مالکیوں اور تمام حنبلیوں کا فتویٰ ہے کہ وہ جائز ہے اس پر یہ احرار کیا اعتراض کر سکتے ہیں اور یہ کونسے نئے صحابی پیدا ہو گئے ہیں کہ اسلام اور قرآن پر اپنی حکومت جتانے لگ گئے ہیں۔ اس پٹھان کے متعلق تو کہہ سکتے تھے کہ کم از کم کوئی فقہ کی کتاب اس کی تائید میں تھی مگر ان کی تائید تو کسی حدیث اور کسی فقہ کی کتاب سے نہیں ہوتی بلکہ حق یہ ہے کہ میں نے امام مالک سے بھی زیادہ احتیاط اس بارے میں کی ہے اور وہ اس طرح کہ امام مالکؒ یہ کہتے ہیں کہ جس کو امام شریعت کے احکام کے مطابق حد لگوائے اس کا وہ جنازہ نہ پڑھے لیکن میں نے اس شخص کا جنازہ بھی نہیں پڑھا جسے میں نے حد نہیں بلکہ انگریزی حکومت نے جو کافر ہے حد لگائی تھی۔ پس امام مالکؒ کے فتویٰ کے مطابق اگر میں میاں عزیز احمد صاحب کا جنازہ پڑھا دیتا تب بھی میرے لئے جائز تھا کیونکہ ان پر کسی اسلامی حکومت نے حد قائم نہیں کی۔ بلکہ ان سے قصاص انگریزی حکومت نے لیا جو غیر اسلامی حکومت ہے مگر میں نے اتنا بھی نہ کیا۔

پس امام مالکؒ جنہوں نے اس بارہ میں سب سے زیادہ سخت پہلو لیا ہے میں نے ان سے بھی سخت تر پہلو لیا اور ایک کافر گورنمنٹ کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا جنازہ نہیں پڑھا۔

اگر احرار کو اس پر اعتراض ہے تو پہلے سب حدیثوں اور فقہ کی کتابوں کو رد کر دیں اور کہہ دیں کہ یہ سب جھوٹی ہیں، اب ہم نئے مولوی پیدا ہو گئے ہیں اور ہم بتائیں گے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کرنا چاہیئے تھا۔ اس طرح پہلے وہ ایک نیا دین ایجاد کریں پھر جو لوگ اس دین کو مان کر اس پر عمل نہ کریں تو ان پر اعتراض کریں۔ ہم تو ان کے اس دین پر ہیں ہی نہیں۔ وہ ہم پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ ہم تو اہلِ سنت ہیں اور سب سے پہلے قرآن کو مانتے ہیں پھر سنت کو مانتے ہیں، پھر حدیثوں کو مانتے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق قرآن کریم میں بالبداہت کوئی آیت موجود نہیں ممکن ہے اگر غور کیا جائے تو کوئی اشارہ مل جائے مگر نص موجود نہیں لیکن سنت موجود ہے اور حدیثیں بھی موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کا جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ اس کے بعد جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ چاروں امام جو اس وقت گویا روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے اعتقادات پر چھائے ہوئے ہیں۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل سب ہمارے ساتھ متفق ہیں ان سب کا وہی مذہب ہے جس پر ہم نے عمل کیا بلکہ میں نے تو احوط سے احوط مذہب پر عمل کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر فعل کو بُرا سمجھا جاتا تھا تو اس قدر لوگ کیوں جنازہ میں شامل ہوئے۔ کیا ہر جنازے میں اتنے ہی لوگ ہوتے ہیں اور اگر نہیں تو اس جنازہ میں اتنے آدمی کیوں شامل ہوئے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ حکم کے نتیجہ میں ہؤا ہے۔ اس بارہ میں مَیں پہلے حکم کے متعلق جواب دیتا ہوں۔

(ا) میرا پہلا جواب یہ ہے کہ میں نے کسی کو جنازہ کے لئے نہیں کہا، نہ کسی کو یہ کہا کہ وہ دوسروں کو جنازہ کے لئے کہے بلکہ میرے لئے حیرت کی بات تھی۔ جب میں نے سنا کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ جنازہ میں شامل ہوئے۔ پس جب ایسا کوئی حکم دیا ہی نہیں گیا تو لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر خود بخود یہ نتیجہ نکال لینا کہ ضرور حکم دیا گیا ہوگا یہ کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ یہ تو قیاسی بات ہے اور قیاس غلط بھی ہؤا کرتے ہیں۔ جیسے تمہید میں مَیں نے تمہیں بتایا تھا کہ جب ہندوؤں نے دیکھا کہ دنیا میں کوئی امیر ہے، کوئی غریب ہے، کوئی تندرست ہے، کوئی بیمار، کوئی معزز ہے اور کوئی ذلیل، تو یہ قیاس کر لیا کہ یہ تناسخ کا نتیجہ ہے۔ یا عیسائیوں نے

قیاسی طور پر کفارے کا مسئلہ ایجاد کر لیا۔ حالانکہ ایسی باتیں قیاس سے نہیں بلکہ واقعات سے ثابت ہؤا کرتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے کسی کو حکم نہیں دیا کہ وہ جنازہ میں شامل ہو اور کیا جب تک میں حکم نہ دوں لوگ جنازہ میں شامل نہیں ہؤا کرتے۔ کیا میاں عبدالرشید نے جب شردھانند جی پر حملہ کیا، یا میاں علم الدین نے لاہور میں راجپال پر حملہ کیا، یا میاں عبدالقیوم نے کراچی میں ایک ہندو پر حملہ کیا اور پھر انہیں پھانسی دی گئی ہزارہا آدمی ان کے جنازوں میں شامل نہیں ہوئے بلکہ ایک جگہ تو ایک لاکھ آدمی جنازہ میں شامل ہؤا۔ اب کیا میں انہیں یہ کہنے کے لئے گیا تھا کہ ضرور جنازہ میں شامل ہونا۔ اگر نہیں تو پھر یہاں زیادہ آدمیوں کے اکٹھا ہونے سے یہ کس طرح نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ میں نے انہیں اکٹھا ہونے کا حکم دیا تھا۔

(۲) میرا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر میں نے ایسا حکم دیا ہے تو احرار اور ان کے معاون مخرجین جن کو دعویٰ ہے کہ ہماری ہر بات انہیں پہنچتی رہتی ہے وہ گواہ پیش کریں، پھر خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ آخر وہ جو یہ دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ ہمارے گھر کی ایک ایک بات کا انہیں پتہ ہے کیوں وہ ان لوگوں کے نام پیش نہیں کر دیتے جن کو میں نے یہ حکم دیا ہو۔ وہ ایسے لوگوں کے نام بتائیں پھر لوگ ان سے خود بخود پوچھ لیں گے کہ آیا واقع میں تمہیں کوئی حکم دیا گیا تھا یا نہیں اور اگر وہ گواہ پیش نہ کریں۔ تو یاد رکھیں کہ یہ میرا فتویٰ نہیں بلکہ اس کا فتویٰ ہے جس کو میں بھی مانتا ہوں اور وہ بھی کہ اِیَّاکَ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ ۔[۷] کہ اے انسان! تُو خیال اور تخمینے سے آپ ہی قیاسات نہ کر لیا کر کیونکہ اگر تُو ایسا کرے گا تو سب سے زیادہ جھوٹا اور کذّاب قرار پائے گا۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ تم واقعات کی شہادت کو دیکھو اور پھر کوئی نتیجہ اخذ کرو۔ ایسا نہ کرو کہ تم قیاس کرو اور قیاس کے بعد ایک واقعہ فرض کر لو کہ یوں ہؤا ہوگا کیونکہ یاد رکھو کہ یہ گمان تمہیں جھوٹوں کی صف میں کھڑا کر دے گا۔

گو اس جواب کے بعد مجھے اس بارہ میں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں کہ لوگ کیوں زیادہ تعداد میں شامل ہوئے کیونکہ یہ تو ان میں سے ہر ایک سے پوچھنا چاہئے کہ وہ جنازہ میں کیوں شامل ہؤا۔ مجھ سے اس سوال کے پوچھنے کا کیا مطلب ہے۔ وہ اگر دریافت کرنا چاہتے ہیں تو

پہلے کسی ایک احمدی کے پاس جائیں اور اس سے پوچھیں کہ تو جنازہ میں کیوں شامل ہؤا تھا، پھر دوسرے کے پاس جائیں اور اس سے پوچھیں کہ تو کیوں شامل ہؤا تھا، پھر تیسرے کے پاس جائیں پھر چوتھے کے پاس جائیں اور اس طرح ہر ایک سے دریافت کریں کہ تو جنازہ میں کیوں شامل ہؤا تھا جو جواب وہ دینگے، وہی اصل جواب ہوگا۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ جماعت کے لوگوں کا میاں عزیز احمد صاحب کے جنازہ میں بکثرت شامل ہونا احرار اور ان کے ساتھیوں کے خلاف بھی دو دھاری حملہ ہے۔ وہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر جنازہ جائز تھا تو کیوں تم نے نہ پڑھا اور اگر ناجائز تھا تو کیوں جماعت نے پڑھا گویا ایک دو دھاری تلوار انہوں نے چلائی ہے۔ مَیں کہتا ہوں۔ اس کا جواب تو مَیں دے چکا ہوں کہ یہ فتویٰ سنت سے ثابت ہے۔ مگر تم بتاؤ کہ تم اور تمہارے ساتھی تو کہتے ہیں کہ قادیان کے اسی فیصدی لوگ اندر سے ہمارے ساتھ ہیں۔ گو اوپر سے خلافت کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی فیصدی یا اکثر جماعت کا لفظ بار بار میرے کانوں میں پڑا ہے۔ جب پیغامی الگ ہوئے تھے وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ۸۰ فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے۔ جب مستری الگ ہوئے تھے وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ۸۰ فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے اور جب مصری الگ ہوئے ہیں تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ ۸۰ فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ اگر واقع میں ۸۰ فیصدی لوگ تمہارے ساتھ ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ میاں فخر الدین کے قاتل کے جنازہ میں کس طرح شامل ہوگئے۔ ہزاروں کی تعداد اسی صورت میں بن سکتی ہے جب وہاں قادیان کے پچاس ساٹھ فیصدی لوگ جمع ہوئے ہوں اور گو میں نے وہ اجتماع نہیں دیکھا اور نہ میں نے تعداد کے متعلق تحقیقات کی لیکن بہر حال اتنی بات سب تسلیم کرتے ہیں کہ تعداد بہت زیادہ تھی اور یہ تعداد اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ پچاس ساٹھ فیصدی لوگ وہاں جمع تھے اب اگر یہ لوگ جنازہ میں اخلاص اور قلبی جوش سے شامل ہوئے تھے۔ تو کیا تم جو یہ شور مچاتے رہتے ہو کہ قادیان کے اسی فیصدی لوگ ہمارے ساتھ ہیں یہ جھوٹ ثابت ہؤا یا نہیں۔ اور کیا تمہارے ساتھ کے لوگوں کو میاں فخر الدین کے قاتل کے خلاف نفرت ہونی چاہئے تھی۔ یا اس سے ہمدردی ہونی چاہئے تھی۔ پس جنازہ میں اتنی کثرت سے لوگوں کی شمولیت بتاتی ہے کہ تمہارا

نہ صرف وہ دعویٰ غلط ہے کہ اسّی فیصدی لوگ ہمارے ساتھ ہیں بلکہ جماعت کے ایک کثیر حصہ کو تمہارے افعال سے اتنا بغض ہے کہ وہ تمہارے ایک ساتھی کے قاتل کے جنازہ میں ہجوم کر کے شامل ہو جاتے ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ اسّی فیصدی لوگ تو ان کے ساتھ ہوں اور ہزار ہا آدمی میاں فخر الدین کے قاتل کا جنازہ پڑھ رہے ہوں۔ اگر واقع میں اسّی فیصدی ان کے ساتھ تھے تو یہ ہزار ہا آدمی کہاں سے آ گئے۔

پس ہزار ہا لوگوں کا میاں عزیز احمد صاحب کے جنازہ میں شامل ہونا بتاتا ہے کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے کہ اسّی فیصدی آدمی ان کے ساتھ ہیں اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہماری بات بالکل ٹھیک ہے واقعہ میں ۸۰ فیصدی ہمارے ساتھ ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ جو لوگ جنازہ میں شامل ہوئے ان میں ہمارے آدمی بہت تھوڑے تھے اور باقی جس قدر تھے وہ منافقین تھے جو انہوں نے خود بھجوائے تا کہ ہم بدنام ہوں اور اس صورت میں بھی ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ غرض اس کا دوسرا پہلو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ جو جنازہ میں شامل ہوئے منافقانہ طور پر شامل ہوئے تھے اور وہ دل سے احرار اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ تھے۔ تو پھر میرا جواب یہ ہے۔ کہ یہ کام تو آپ لوگوں نے خود کرایا ہے۔ کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہ اسّی فیصدی لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں ان کو آپ نے جنازہ پڑھنے کے لئے بھجوا دیا تا جماعت بدنام ہو۔

پس اگر جنازہ میں شامل ہونے والے مخلص تھے تو یہ جھوٹ ہے جو کہتے ہیں کہ جماعت کے ۸۰ فیصدی آدمیوں کا خلیفہ سے کوئی تعلق نہیں، وہ دل میں بغض رکھتے ہیں مگر زبان سے اظہار محبت کرتے ہیں اور اگر وہ مخلص نہیں تھے بلکہ منافق تھے تو اس کا مجھ پر کیا اعتراض ہے۔ ہم کہتے ہیں وہ تمہارے آدمی تھے جو تم نے خود وہاں بھجوا دئے تا جماعت کو بدنام کرو اور اسے الزام کے نیچے لاؤ۔ اس صوت میں بھی نہ صرف یہ کہ میں بری ہؤا بلکہ مجھ پر ظلم ہؤا کہ مجھے بلا وجہ بدنام کیا گیا۔ غرض اگر جماعت نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ منافق ہے اور ان کے ساتھ ہے تو پھر یہ کام شرارت سے ہؤا۔ مجھ پر کیا اعتراض ہے اور اگر لوگوں نے اخلاص سے کیا ہے تو یہ جھوٹ ہؤا کہ جماعت احمدیہ اندر سے مخلص نہیں اور اسّی فیصدی لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ پھر تو معلوم ہؤا کہ جماعت چند منافقین کو چھوڑ کر کُلّی طور پر خلیفہ کے ساتھ ہے۔

اب میں اصل جواب کی طرف آتا ہوں۔ میں تمہید میں کہہ آیا ہوں کہ جب قضاء اپنا منشاء پورا کرلے تو پھر جذبات اپنی قضاء کا کام شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ میں بتا آیا ہوں کہ انسانی روح افعال سے دو طرح سے متاثر ہوتی ہے۔ایک قضائی طور پر اور ایک جذباتی طور پر۔بعض دفعہ قضائی فیصلہ اَور ہوتا ہے اور جذباتی فیصلہ اَور،اور کبھی یہ دونوں فیصلے مطابق بھی ہوتے ہیں۔مگر بہرحال قضائی فیصلہ کے بعد جذباتی قضاء اپنا کام شروع کرتی ہے۔مثلاً ایک جج کا بیٹا اگر قاتل ہے تو جج اسے اسی طرح پھانسی کی سزا کا حکم سنائے گا جس طرح وہ ایک غیر کو پھانسی کی سزا سناتا ہے مگر غیر کو پھانسی کا حکم دیتے ہوئے اس کے دل کی کیفیت وہ کیفیت نہیں ہوگی، جو اپنے بیٹے کو پھانسی کا فیصلہ سناتے وقت ہوگی۔

بیشک قضائی فیصلہ میں اس کا معاملہ اپنے بیٹے سے اور ایک غیر شخص سے بالکل یکساں ہوگا مگر جب جذباتی قضاء کا فیصلہ آئے گا تو اپنے بیٹے کو پھانسی ملنے کا تصور کرکے اس کا دل خون ہو جائے گا اور اس کی حالت بالکل غیر ہو جائے گی۔تو جذبات کی قضاء اَور اصول پر مبنی ہوتی ہے اور قانون کی قضاء اَور اصول پر مبنی ہوتی ہے۔اس تمہید کو میں پھر یاد دلاتے ہوئے کہتا ہوں کہ بے شک میاں عزیز احمد صاحب نے جو فعل کیا وہ خلاف شریعت تھا اور ہم اسے برا ہی قرار دیتے ہیں اور قانون نے جوان کو سزا دی ہم اس پر معترض نہیں گو ہم میں سے بعض کہتے ہیں کہ انہیں پھانسی کی سزا نہیں ملنی چاہئے تھی مگر بہرحال ہم انہیں سزا دینے کو بُرا نہیں کہتے۔ہم کہتے ہیں جب ہائی کورٹ اور پریوی کونسل نے ایک فیصلہ کر دیا تو وہی ٹھیک ہے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ خود ان کا اقرار تھا کہ میں نے قتل کیا ہے۔

پس قانون نے ان کو جو سزا دی اس پر ہم معترض نہیں اور ہم نے ان کو سچ بولنے کا مشورہ دے کر قضاء کا حق ادا کر دیا چنانچہ ہم نے خود اپنے آدمی سے کہا کہ سچ بولو اور اگر اس کے بدلہ میں تمہیں پھانسی ملتی ہے تو بے شک پھانسی پر لٹک جاؤ۔پس دیکھو ہم نے قانون کا منشا پورا کر دیا اور قانون نے جب سزا دی تو ہم نے اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ ہم نے ان کے فعل کو عَلَی الْاِعْلَان بُرا کہا۔اخبارات میں لکھا کہ انہوں نے ناجائز کام کیا ہے اور بار بار کہا کہ ان سے غلطی ہوئی ہے۔پس ہم نے تینوں حق ادا کر دیئے جو شریعت کا حق تھا وہ بھی ادا کر دیا،

جو قانون کا حق تھا وہ بھی ادا کر دیا اور جو اخلاقی لحاظ سے سچ بولنے کے متعلق حق تھا وہ بھی ہم نے ادا کر دیا۔ گویا شرعی، قانونی اور انسانی تینوں حقوق ہم نے ادا کر دیئے۔ میاں عزیز احمد صاحب نے ایک جان لی۔ قانون نے اس کے بدلے میں ان کی جان لے لی۔ انہوں نے جان بھی دی اور اپنی غلطی کا اقرار بھی کیا چنانچہ انہوں نے مجھے متواتر خطوط لکھے کہ سلسلہ کی یہ تعلیم میرے ذہن میں اس وقت نہیں تھی اور مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ایسی حالت میں بھی انسان کو صبر سے کام لینا چاہئے چونکہ وہ ناتعلیم یافتہ آدمی تھے اس لئے سمجھا جا سکتا ہے کہ واقع میں انہیں سلسلہ کی تعلیم کا اس حد تک علم نہیں ہوگا جس حد تک علم انسان کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔

پس انہوں نے مجھے بار بار لکھا کہ میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ ایسے شدید اشتعال کے موقع پر بھی انسان کو ضبط سے کام لینا چاہئے اور چونکہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اس لئے میں توبہ کرتا ہوں اور آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے قصور کو معاف کرے اور انہوں نے مجھے ایک بار بلکہ بار بار ایسے خط لکھے۔ پس جب قانونی قضاء کا فیصلہ ہو چکا اور جذباتی قضاء کا موقع آیا تو اس نے دوسرے ضروری امور کو بھی دیکھا۔ قانونی قضاء کا منشا صرف اتنا تھا کہ وہ ہمارے آدمی کی جان لے لے ہم نے کہا بہت اچھا جان لے لو۔ پس ہم نے قانون کے منشا کو پورا کر کے قانون کا حق اسے ادا کر دیا۔ پھر شریعت نے کہا کہ میرا حق بھی مجھے ادا کر دو اور کہو کہ اس نے بہت بُرا فعل کیا ہے۔ ہم نے کہا بہت اچھا آپ بھی اپنا حق لے لیں چنانچہ ہم نے عَلَی الْاِعْلَان کہا کہ میاں عزیز احمد صاحب نے خلاف شریعت فعل کیا ہے اور اخباروں میں اس پر مضامین لکھے۔ پھر انسانیت ہمارے سامنے آئی اور کہا کہ اگر ایسے افعال چھپ کر کئے جائیں تو خطرات بہت بڑھ جاتے ہیں پس تم اس سے اقرار کراؤ کہ واقع میں میں نے قتل کیا ہے اور اس طرح انسانی حق ادا کرو تا دوسروں کو عبرت ہو اور وہ ایسے افعال کا ارتکاب نہ کریں ہم نے کہا بہت اچھا چنانچہ ہم نے ان سے اقرار کروایا اور کہا کہ تم جو کچھ واقعہ ہوا ہے، سچ سچ کہہ دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس ہم نے شریعت کی طرف سے بھی براءت حاصل کر لی، ہم نے قانون کی طرف سے بھی براءت حاصل کر لی اور ہم نے انسانیت کی طرف سے بھی براءت حاصل کر لی۔ اس کے بعد جذبات کا سوال آیا اور انہوں نے کہا کہ ہمارا بھی کوئی حق ہے یا نہیں۔

چنانچہ جذباتی قضاء نے اُس وقت کئی ضروری امور کو دیکھا اس نے دیکھا کہ:

(۱) میاں فخر الدین اور ان کے ساتھیوں نے سخت اشتعال انگیزی سے کام لیا تھا اس حد تک کہ کمزور انسان کے لئے برداشت ناممکن تھی اور بعض دفعہ تو مضبوط کے لئے بھی ایسے حالات میں برداشت ناممکن ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام میں بڑے بلند پایہ بزرگ ہوئے ہیں وہ سب صحابہ سے بڑھ کر شان رکھتے ہیں مگر دیکھو کہ ایک موقع ایسا آیا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اشتعال میں آ گئے۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے بازار میں چڑانے کے لئے کہہ دیا کہ مجھے اُس خدا کی قسم ہے کہ جس نے موسیٰ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فضیلت دی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں آ کر اس یہودی کو تھپڑ مار دیا حالانکہ اس نے کوئی گالی نہیں دی تھی۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آیا آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوئے مگر انہیں کوئی سزا نہ دی کیونکہ سمجھا کہ ضرر زیادہ نہیں اور اشتعال ناقابلِ برداشت تھا۔ اب حضرت ابوبکرؓ کمزور مومن نہیں تھے مگر چونکہ انہوں نے جو فقرہ سُنا گو وہ گالیوں والا نہیں تھا مگر ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھا اس لئے انہوں نے تھپڑ مار دیا۔ پس ان حالات کو کونسی جذباتی قضاء نظر انداز کر سکتی ہے۔

(۲) دوسرے ان کا جُرم مذہب کے خلاف نہ تھا بلکہ مذہبی محبت کی وجہ سے تھا۔ (مذہب کے خلاف نہ ہونے سے میری یہ مراد نہیں کہ وہ مذہبی تعلیم کے خلاف نہیں تھا بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ مذہب کو نقصان پہنچانے والا نہیں تھا۔ یا خدا اور اس کے رسول پر حملہ نہیں تھا) اپنی بڑھیا اور معذور ماں کی محبت کو نظر انداز کرتے ہوئے، اپنی جوانی کو قربان کرتے ہوئے کسی دنیوی غرض سے نہیں صرف دینی جوش کے ماتحت جو اپنی جان قربان کرتا ہے اگر وہ مجرم ہے تو ہم اس کے فعل کو برا کہہ سکتے ہیں اور کہیں گے اسے جرم کی سزا پانے کے لئے تیار کریں گے، ایسے افعال کے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرینگے لیکن ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کرنے والے نے جو کچھ کیا غلط کیا یا صحیح کیا۔ صرف دین کی محبت کے لئے کیا، اس کو ورغلایا گیا، اس کی ماں کو ورغلایا گیا، چنانچہ اس کو ورغلایا جانا اس کے بیانات سے ثابت ہے اور اس کی ماں کو ورغلایا جانا اس طرح ثابت ہے کہ وہ منٹگمری اپنے بیٹے سے ملنے کے لئے گئی جب وہاں سے واپس آئی تو

بعض عورتوں کے پاس اس نے اپنے بیٹے کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہوئے کہا کہ وہ کہتا ہے۔ میرا جرم یہی ہے کہ میں نے سچ بول دیا، اگر میں جھوٹ بول دیتا تو پھر تو میری امداد کے لئے بڑے بڑے وکیل پہنچ جاتے۔ جب مجھے یہ خبر پہنچی تو میں نے وہاں کی جماعت کو لکھا کہ دریافت کیا جائے کہ کیا بات ہے۔ انہوں نے میاں عزیز احمد صاحب کے متعلق لکھا ہے وہ تو ہرگز کوئی شکایت بیان نہیں کرتے۔ آخر ان کی ماں نے بھی اقرار کیا کہ مَیں نے یہ بات اپنے بیٹے کی طرف غلطی سے منسوب کر دی تھی۔

اصل بات یہ تھی کہ جب میں وہاں اپنے بیٹے سے ملنے کے لئے گئی تو چوہدری محمد شریف صاحب وکیل میرے ساتھ تھے۔ وہ ایک وقت میرے بیٹے سے باتیں کر رہے تھے تو بعض مسلمان ملزم جیل کے میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے کہا کہ تم اس اس طرح جا کر باتیں کرو تو تمہارے بیٹے کی مدد کرنے پر یہ لوگ مجبور ہوں گے۔

غرض جبکہ ہم ان سے سچ بلوا رہے تھے احرار کے ہمدرد انہیں جھوٹ بولنے کی تلقین کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم اس اس طرح بیان دے دو کہ میں نے خودا سے نہیں مارا بلکہ مجھے کہا گیا تھا کہ تُو میاں فخر الدین کو مار دے لیکن اس نے ایک ہی بات رکھی کہ جو گناہ ہو گیا سو ہو گیا مَیں اور گناہ کرنے کو تیار نہیں۔ میں پہلے گناہ سے بھی تائب ہوں۔ چنانچہ جب ان کو اپنی ماں کی کمزوری کا علم ہؤا تو انہوں نے سختی سے اسے سمجھایا اور کہا ماں میری عاقبت مت بگاڑ اور سنا ہے اس کی نصیحت اپنی ماں کو یہی تھی کہ میں نے گناہ کیا۔ اور اس سے توبہ کی اور میں اپنے قصور کی سزا پالوں گا۔ اب توبہ اور دعاؤں کے بعد میرے دل کو تسلی ہے کہ میرا گناہ معاف ہو جائیگا اور میں خوشی سے اس سزا کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ پھر جب پریوی کونسل میں اپیل دائر کرنے کا سوال آیا۔ تو انہوں نے اپنی ماں سے کہا ہونا ہوا نا کچھ نہیں۔ مجھے پھانسی پر ضرور لٹکایا جائے گا اور میں اس سے گھبراتا نہیں۔ اے ماں تم بھی میرے بعد گھبرائیو نہیں۔ پھر سنا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی ماں سے کہا۔ ماں میں نے جو کچھ کیا تھا اپنے ذہن میں خدا کے لئے کیا تھا اس لئے میری نیت کو خراب نہ کیجیؤ اور میری لاش پر روئیو نہیں بلکہ اس پر پھول ڈالیو تا دنیا سمجھ لے کہ میں اپنے گناہ پر تو افسوس کرتا ہوں مگر میں اپنی سزا سے ڈرتا نہیں۔ چنانچہ اس کی ماں نے سنایا

کہ میرا بیٹا مجھ سے منتیں کرتا تھا اور کہتا تھا ماں میری لاش پر روئیو نہیں ۔ میں نے جو گناہ کیا تھا اس کی سزا بُھگتنے کے لئے تیار ہوں اب تم دشمن کو خوشی کا موقع نہ دینا۔ان واقعات کے ہوتے ہوئے جذباتی قضاء کب غیر متاثرہ رہ سکتی ہے فتح مکہ کے وقت ایک انصاری نے جو ایک دستہ فوج کے افسر تھے اور جن کا نام غالباً عبادہ بن صامت تھا ابوسفیان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اب دیکھو مکّہ میں چل کر ہم تمہاری کیسی خبر لیتے ہیں اور جو جو تکلیفیں تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو پہنچائی ہیں ان کا کس طرح انتقام لیتے ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے اسے فوج کی کمانڈ سے علیحدہ کر کے معمولی سپاہی بنا دیا اور اس کے بیٹے کو اس کی جگہ افسر مقرر کر دیا۔[8]

لیکن کیا تم سمجھتے ہو یہ الفاظ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت عبادہ کے متعلق نفرت کا جذبہ پیدا ہوا ہوگا۔آخر عبادہ کو ابوسفیان سے کیا عداوت تھی۔وہ کفر کے زمانہ میں شائد ابوسفیان کا نام بھی نہ جانتے ہوں گے مگر جب اسلام لانے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ مکہ والوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو کیا کیا اذیتیں پہنچائی ہیں تو ان کا دل جوش سے بھر گیا اور فتح مکہ کے وقت غلطی سے ان کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے کہ اب دیکھو گے ہم تم سے کس طرح انتقام لیتے ہیں۔پس گو انہوں نے یہ الفاظ کہے اور غلط طور پر کہے۔مگر کون شخص کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے یہ الفاظ اپنی ذات کے لئے کہے۔انہوں نے یہ الفاظ محض اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں کہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں سزا دی اور اتنی سخت سزا دی کہ انہیں افسری سے ہٹا کر سپاہی بنا دیا۔آج اگر کسی جرنیل کو سپاہی بنا دیا جائے تو وہ فوراً استعفیٰ دیکر بھاگ جائے مگر انہوں نے خوشی سے اس سزا کو قبول کیا لیکن تم کیا سمجھتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کے متعلق نفرت کے جذبات پیدا ہوئے ہونگے ؟ یا کوئی بھی مسلمان ہے جو یہ واقعہ پڑھ کر عبادہ بن صامت سے نفرت کر سکے؟ وہ ان کے فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا۔وہ ان کے فعل کو روکنے کی کوشش کرے گا مگر وہ اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اپنے لئے نہیں بلکہ گو نادانی سے کیا مگر پھر بھی خدا کے لئے یہ فعل کیا۔اسی طرح احمدی جب میاں عزیز احمد صاحب کا خیال کرتے ہونگے تو لازماً ان کے دل

میں یہ خیال آتا ہوگا۔ کہ اس نوجوان نے اپنی جان ضائع کی اور سلسلہ کو بدنام کیا لیکن جو کام کیا اپنے نفس کے لئے نہیں کیا بلکہ اس غلط خیال کے ماتحت کیا کہ میں سلسلہ کی خدمت کر رہا ہوں اس لئے خدا تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول ہی کرے۔ حق یہ ہے کہ اگر ہمارے نوجوانوں کے اندر یہ روح پیدا ہو جائے کہ جب کسی کو گالیاں دیتے سُنیں تو اُٹھ کر اُس پر حملہ کر دیں تو اس کا دوسرے لوگوں کو اتنا نقصان نہیں ہوسکتا جتنا ہمیں نقصان ہوسکتا ہے کیونکہ وہ تو کروڑوں ہیں اگر ان میں سے دو چار مر جائیں تو انہیں زیادہ نقصان نہیں پہنچ سکتا لیکن ہمیں ایسے واقعات سے شدید نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے کیونکہ ہماری بدنامی ہوگی، ہماری دینی روح کمزور ہوگی اور نوجوانوں کا ایک حصہ ضائع ہوگا۔

پس ہمارا فرض ہے کہ ان باتوں کو روکیں اور اگر کوئی کسی کو قتل کی انگیخت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دوسرے کو مار دینے میں کوئی حرج نہیں تو ہم یقیناً اسے قومی دشمن کہیں گے۔ چاہے اس نے دانستہ ایسا کہا ہو یا نادانستہ جو شخص بھی کہتا ہے کہ ہمارے بعض نوجوانوں نے یہ اچھا فعل کیا وہ یقیناً ہمارے سلسلہ کا دشمن ہے کیونکہ اس سے دشمن کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا ہمیں پہنچ سکتا ہے۔ اگر ہمارے دلوں میں سلسلہ کی ایک ذرہ بھر بھی محبت ہو تو ہمارا فرض ہے کہ ہمارے بڑے بھی اور چھوٹے بھی، عالم بھی اور جاہل بھی، مرد بھی اور عورتیں بھی یہ پختہ عہد کر لیں کہ وہ ایسے افعال کو روکنے کی انتہائی کوشش کریں گے اور اس بات کی جدوجہد کریں گے کہ آئندہ کوئی ایسا واقعہ رونما نہ ہو۔ لیکن باوجود اس ضرورت کو سمجھنے کے میاں عزیز احمد سے احمدی نفرت نہیں کر سکتے تھے ان کے دماغ کے پس پردہ یہ خیالات موجزن ہونگے کہ انہوں نے گو ایک ناجائز فعل کیا مگر خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا، کسی ذاتی غرض یا دنیوی فائدہ کے لئے نہیں کیا۔ ان کی ماں کمزور اور بوڑھی تھی وہ اس کی تکلیف کو سمجھ سکتے تھے۔ چنانچہ اب ان کی موت کے بعد جو اس غریب کی کیفیت ہے، اسے دیکھ کر ہر شخص کو رحم آتا ہے۔

بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب میاں عزیز احمد صاحب کا وہ ذکر کرتی ہے تو اپنی مُٹھیاں بھینچ لیتی ہے منہ سے لفظ نکلنے بند ہو جاتے ہیں اور سر سے لے کر پیر تک تھر تھر کانپنے لگ جاتی ہے۔ غرض اسے دیکھ کر دل رحم سے بھر جاتا ہے مگر عزیز احمد کو یہ کوئی خیال نہیں آیا کہ اُس کے اِس

فعل کے نتیجہ میں اُس کی ماں کا کیا حال ہوگا؟ اُس کے بھائی کا کیا حال ہوگا؟ وہ جذبات کی رَو میں بہہ گیا اور وہ دنیا کا مجرم، قانون کا مجرم اور خدا کا مجرم بن گیا لیکن بہرحال اس نے یہ فعل کسی دنیوی غرض سے نہیں کیا بلکہ محض اس لئے کیا کہ اپنے مذہب کے خلاف گالیاں سننا میری برداشت سے باہر ہے۔ پس ان خیالات کا احمدیوں کی طبیعت پر اثر ہوگا جو ان کو جنازہ پر لے گیا۔

یہ کہ ہر شخص کے کیا خیالات تھے یہ تو اسی سے پوچھ کر معلوم ہو سکتے ہیں لیکن میں یہی سمجھتا ہوں کہ اکثر احمدیوں کے دلوں پر مذکورہ بالا خیالات کا اثر ہوگا اور گو معین صورت میں یہ خیالات ان کے دماغ میں نہ آئے ہوں۔ مگر جب وہ جنازے پر گئے تو ان کے سب جیکٹو مائنڈ (SUBJECTIVE MIND) میں ضرور یہ خیالات پیدا ہو رہے ہونگے کہ میاں عزیز احمد نے بُرا فعل کیا، ان کے فعل کی وجہ سے جماعت بدنام ہوئی مگر انہوں نے اپنے نفس کی وجہ سے یا جماعت کو بدنام کرنے کے خیال سے ایسا نہیں کیا بلکہ محبت کے غلط جوش میں ایسا کیا۔ ہمارے مخالفوں نے اپنا حق لے لیا اور جان کے بدلے جان دے دی گئی، قانون نے اپنا حق لے لیا کہ مجرم کو پھانسی پر لٹکا دیا، اب ہمارے دلوں کی باری ہے کہ انہیں بھی ان کا حق دیا جائے اور انہوں نے زبانِ حال سے ان کی نعش کو کہا کہ اے بھائی! تُو نے قانون کا قصور کیا، تُو نے شریعت کا قصور کیا، تُو نے نادانی سے جماعت کو بدنام کیا لیکن کسی ذلیل خواہش سے ایسا نہیں کیا بلکہ تُو نے نادانی سے یہ خیال کیا کہ میں اس طرح دین کی خدمت کر رہا ہوں۔ ہم تیرے اس فعل کو بُرا کہہ چکے ہیں کہ تُو نے دین اور قانون کے خلاف فعل کیا مگر اب جب کہ تُو اپنی سزا بھگت چکا ہے ہم تیرے دین کی خاطر قربانی کرنے کے جذبہ پر عقیدت کے پھول چڑھانے آئے ہیں کیونکہ ہر ایک کا حق اسے ملنا چاہئے۔ ہمارا دماغ تیری پھانسی سے اپنا حق لے چکا۔ اب ہمارا دل تیرے لئے مغفرت کی دعا کر کے اپنا حق لینا چاہتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں اسی قسم کے جذبات تھے جو لوگوں کو کھینچ کر لائے اور اگر وہ اپنے دلوں میں ایسے افعال کو بُرا سمجھتے تھے، اگر وہ ارادہ رکھتے تھے کہ ایسے افعال آئندہ کبھی نہیں ہونے دیں گے تو وہ ہرگز مجرم نہیں تھے بلکہ وہ کامل انصاف چاہتے تھے کیونکہ وہ قانونی قضاء کا حق دینے

کے بعد اب جذباتی قضا کا حق ادا کر رہے تھے۔'' (الفضل ۲۲؍ جولائی ۱۹۳۸ء)

۱؎ بخاری کتاب الصوم باب الرَّیانُ لِلصَّائِمِیْنَ

۲؎ بخاری کتاب الطب باب مَنِ اکْتَوٰی اَوْ کَوٰی غَیْرَہٗ

۳؎ بخاری کتاب القدر باب اَلْعَمَلُ بالْخَوَاتیم

۴؎ ابو داؤد کتاب الجنائز باب الصلوٰۃُ عَلٰی مَنْ قتلته الحدود، ابو داؤد کتاب الحدود باب رجم ما عزبن مالک

۵؎ بخاری کتاب الکفالة باب الدَّیْن

۶؎ **احوط:** زیادہ موزوں۔مناسب۔زیادہ احتیاط کرنے والا

۷؎ بخاری کتاب الادب باب مَا یُنْھٰی عَنِ التَّحَاسد وَا لتَّدَابُر

۸؎ السیرۃالحلبیة جلد۳ صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء کے مطابق یہ صحابی سعد بن عبادہ تھے۔